© rasailojaraid.com

اپنے دور کے بہترین علماء فضلاء سے علم حاصل کیا تھا۔

چنانچہ ان کے اساتذہ کی فہرست میں قاری محمد صالح المصری۔ تلمیذ شیخ عبدالخالق المنوفی۔ شیخ محمد فاخر محدث الہ آبادی، تلمیذ محمد حیات السندی، شیخ مرزا مظہر جانجاناں دہلوی تلمیذ شیخ محمد افضل محدث سیالکوٹی اور امام العصر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جیسے اکابر علم شامل ہیں، مؤخر الذکر یعنی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے انہیں خصوصی شرف تلمذ حاصل تھا، شاہ صاحب کے تمام شاگردوں میں شاید ہی کوئی ایسا شاگرد ہو۔ جو اپنی تصانیف، علمی و فکری تحقیقات اور خاص طور پر فقہ و اجتہاد میں ان کی ہمسری کا دعویٰ کر سکتا ہو۔ ان کے علم و فضل کا یہ عالم تھا کہ شاہ عبدالعزیز سا بالغ نظر محدث ان کو "بیہقیٔ وقت" اور مرزا مظہر سا شیخ کامل "علم الہدیٰ" (نشان ہدایت) کے القاب سے یاد کرتے تھے۔ انہیں مرزا مظہرؒ سے یہ منقول ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ "اگر روزِ قیامت اللہ تعالیٰ مجھ سے یہ پوچھیں گے کہ میں اس کی بارگاہ میں کیا تحفہ لے کر آیا ہوں۔ تو میں قاضی صاحب کو بارگاہِ خداوندی میں پیش کر دوں گا"[۷]

انہوں نے مختلف موضوعات پر ۳۶ کے قریب کتابیں تصنیف فرمائیں، جن میں ان کی عربی تفسیر، تفسیر مظہری سب سے نمایاں ہے۔ یہ تفسیر بہت سے امتیازی اوصاف کی حامل ہے اور یہ بلاشبہ ہندوستان بھر میں تصنیف کی جانے والی پہلی مکمل عربی تفسیر ہے[۸]، اور یہ ہندوستانی علماء کی ان کاوشوں میں سے ایک ہے، جسے ہندوستان بجا طور پر عرب دنیا کے سامنے پیش کر سکتا ہے۔

ایک عظیم تفسیر کے مؤلف نصف صدی کے قریب پانی پت کے قاضی و جج بھی رہے۔ اپنی اس حیثیت میں انہیں فقہ اور مسائل فقہ کے مطالعے اور اس کے نفاذ دونوں کے مشاہدے کا موقع ملا۔ بعض اوقات دربار شاہی کے فیصلے بھی ان کی فقہی رائے پر موقوف رہتے تھے[۹]، یہی وجہ ہے کہ آج بھی ہر مکتب فکر کے ہاں کا یکساں ادب و احترام کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اراضی ہند کے بارے میں ان کی رائے کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

اراضی ہند کا تاریخی پس منظر

اراضی ہند کی شرعی حیثیت پر اپنی گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے، اب آپ مجھے اجازت دیں کہ میں اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تاریخی پس منظر پر کچھ روشنی ڈالوں۔ فقہی اعتبار سے مسلمانوں کی مفتوحہ اراضی کو دو بنیادی حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، قسم اول میں وہ اراضی آتی ہیں جو مسلمانوں نے صلح و معاہدہ کے ذریعے حاصل کیں، مثلاً نجران، ایلہ، اذرح وغیرہ کے علاقے۔ اس قسم کی زمینوں کے معاملے میں معاہدات ہی پر عمل کیا جاتا ہے، جبکہ قسم ثانی میں ایسے علاقے شامل ہیں جنہیں مسلمانوں نے بزور شمشیر فتح کیا اور وہاں اسلامی حکومت قائم کی۔ ہندوستان بھر، یعنی پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش کی بیشتر زمینیں اسی قسم میں شامل ہیں، اور یہی قسم ہماری اس بحث و تمحیص کا موضوع ہے:

سیاسی و جغرافیائی مجبوریوں کے تحت مسلمانوں نے ہندوستان کی سرزمین کو کئی قسطوں میں فتح کیا۔ اس "فتح مبین" کی ابتدا نوجوان جرنیل اور فاتح محمد بن قاسم نے ۹۳ھ/۷۱۲ء میں حملۂ سندھ کے سے کی۔ اس نوجوان فاتح نے نہ صرف راجہ داہر کو اس کی مسلسل پیمان شکنیوں کی سزا دی، بلکہ دیبل (نواح کراچی) سے لے کر ملتان تک علاقہ (بشمول بلوچستان) فتح کر کے اسلامی قلمرو میں شامل کر دیا۔ محمد بن قاسم کشمیر اور شمالی ہند پر اپنے حملے کی تیاریاں مکمل کر چکے تھے کہ دربار خلافت کی طرف سے ان کی معزولی کے فرمان نے ہندوستان کے بقیہ خطوں کو مسلمانوں کے قدوم میمنت سے کچھ عرصے کے لیے محروم کر دیا۔

فتوحات اسلامیہ کا اگلا باب سلطان محمود غزنوی (م ۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء) نے اپنے سترہ حملوں کے ذریعے تصنیف کیا، سلطان نے نہ صرف ہندو راجوں اور مہاراجوں کی فوجی قوت کا خاتمہ کیا، بلکہ موجودہ پاکستان میں شمالی جنوبی پنجاب و سرحد کے بیشتر علاقوں کو فتح کر کے سلطنت غزنویہ کا حصہ بنا دیا۔ سلطان محمود غزنوی کے مشن کی تکمیل سلطان شہاب الدین محمد غوری اور اس کے بہادر سپہ سالار و جانشین سلطان قطب الدین ایبک کے ہاتھوں سے ہوئی، جنہوں نے دہلی اور اس سے آگے تک کے علاقوں کو فتح کر کے "سلطنت دہلی" قائم کی۔ اس زمانے میں ایبک کے جرنیل محمد بن بختیار خلجی نے عزم و جواں ہمتی کی ایک داستان تصنیف کر کے بنگال، بہار اور ہماچل پردیش وغیرہ کا دروازہ مسلم افواج کے لیے کھول دیا جبکہ جنوبی ہند اور دکن کو سلطان علاؤ الدین خلجی (م ۷۱۵ھ/۱۳۱۶ء) کے حکم پر اس کے سپہ سالار ملک کافور نے فتح کر کے اسلامی قلمرو میں شامل کیا۔ یوں چھ صدیاں پہلے "فتح ہند" کا مشن مجموعی طور پر اختتام کو پہنچا، گو جزوی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طور پر یافت اور بازیافت کا سلسلہ اورنگ زیب عالمگیر (م ۱۱۱۹ھ/ ۱۷۰۷ء) کی وفات تک جاری و ساری رہا[۱۱]

اس تمام تفصیل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہندوستان کی اس سرزمین کو مسلمانوں نے بڑی طویل جد و جہد اور کئی خونریز جنگوں کے بعد حاصل کیا، اس کے حصول کے لیے بلا مبالغہ ہزاروں نے جان و مال اور عزت و ناموس کی قربانیاں پیش کیں، اس بنا پر یہ سرزمین فتوحاتِ اسلامیہ کی قسم ثانی ہی کے زمرے میں آتی ہے جس پر بلاشبہ فتح الامام بلدۃ عنوۃ ای قہرا (امام کا کسی علاقے کو بزورِ شمشیر فتح کرنے کا[۱۲]) عنوان ہی صادق آتا ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے اس "قسم ثانی" کے لیے کیا احکام تجویز کیے ہیں۔

کتبِ تاریخ، مثلاً البلاذری کی فتوح البلدان، ابن الاثیر کی تاریخ الکامل، قاضی ناصر کی طبقات ناصری اور محمد قاسم فرشتہ کی "تاریخ فرشتہ" وغیرہ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ان تمام مفتوحہ علاقوں پر مسلم فاتحین نے "خراج[۱۲ الف]" ہی مقرر کیا تھا، اس طرح یہ تمام زمینیں "سواد عراق"، "عراقی سرزمین" ہی کے طبقے میں شامل سمجھی جاتی ہیں۔ "عراق کی سرزمین" جو بعد کے مفتوحہ علاقوں کے لیے ایک نظیر اور بنیاد ثابت ہوئی، "عہد فاروقی" میں فتح کی گئی۔ فتح کے بعد اس کی تقسیم پر صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا، بعض صحابہ کرام یہ چاہتے تھے کہ اس تمام مفتوحہ علاقے کو "مجاہدین" کے مابین اسی طرح تقسیم کر دیا جائے۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "خیبر کی مفتوحہ زمینوں" کو صحابہ کرام کے درمیان تقسیم فرما دیا تھا، لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے اس تجویز کو یہ کہہ کر رد فرما دیا کہ اگر تمام مفتوحہ زمینیں موجودہ مجاہدین میں تقسیم کر دی گئیں، تو آئندہ دور کے مسلمانوں کی ضروریات کی کفالت کیونکر ہو سکے گی۔ اور پھر حضرت فاروق اعظم یہ بھی مشاہدہ فرما رہے تھے کہ اگر زمینوں کی تقسیم کا یہ عمل اسی طرح جاری رہا تو ایک طرف تو صحابہ کرامؓ کے بڑھتے ہوئے قدم زمینداری کے جھنجھٹوں میں الجھ کر رہ جائیں گے اور دوسری طرف خود مسلمانوں میں بڑے بڑے زمیندار پیدا ہو جائیں گے اور یوں "دولت اور وسائل دولت کے ارتکاز" کی وہ صورتِ حال پیدا ہو جائے گی، جس سے قرآن مجید میں صراحۃً روکا گیا ہے، قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں اس اختلاف اور پھر اجماع کی روداد ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:-

"فتح عراق کے وقت عہد فاروقی میں مسلمانوں کے درمیان زمینوں کی تقسیم کے مسئلے پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختلاف پیدا ہو گیا، امام ابو یوسف اپنی کتاب الخراج میں یہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے بہت سے علمائے مدینہ نے یہ بیان کیا کہ جب حضرت عمر فاروق کے پاس حضرت سعد بن ابی وقاص کی طرف سے فتح عراق کا مژدہ لے کر وفد پہنچا تو حضرت عمر فاروق نے ارضی عراق و شام کے بارے میں مشورہ کیا، اس سلسلے میں کچھ لوگوں نے حضرت عمر فاروق نے کہا کہ وہ ارضی ان کا حق ہیں، فاروق اعظم نے فرمایا کہ اگر ساری ارضی مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی تو پھر بعد کے آنے والے مسلمانوں کا کیا ہوگا ..... اگر میں عراق و شام کی تمام زمینیں مجاہدین میں تقسیم کر دوں، تو سرحدوں کی حفاظت کون کرے گا، نیز اولاد اور اس علاقے کے لوگوں کے لیے کیا بچے گا۔ جبکہ اہل عراق و شام حضرت عمرؓ کے سامنے باصرار یہ چاہتے تھے کہ آپ اس زمین کو ایسی قوم کی کفالت کے لیے وقف کر دیں، جو کہ ان جنگوں میں شامل نہیں، اور مسلمانوں کی آئندہ نسلوں کے لیے، حضرت عمرؓ کی اس رائے پر مہاجرین تو متفق ہو گئے مگر انصار متفق نہ ہوئے اس پر حضرت عمرؓ نے ۵ صحابہ اوس سے اور ۵ خزرج سے طلب کیے۔ اور ان کے سامنے یہ مسئلہ رکھا انہوں نے اس فیصلے سے اتفاق کر لیا۔"[۱۳] "ارض عراق" کے ساتھ حضرت فاروق اعظم کے اس حکم کو۔ امام ابو عبید القاسم بن اسلام نے یوں نقل کیا ہے:

"یہ زمینیں مسلمانوں کے لیے محفوظ بطور وقف رکھی جائیں، کہ نسلاً بعد نسل ان کا فائدہ پہنچتا رہے۔ اور وہ ان کے لیے اپنے دشمن کے مقابلے میں تقویت کا باعث ہوں۔"[۱۴]

حضرت فاروق اعظم کا یہ "حکم نامہ"، فقہاء کے مابین بھی اختلاف و نزاع کا باعث بنا، چنانچہ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ امام کو اختیار ہے کہ وہ اگر چاہے تو مفتوحہ زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم کر دے جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمینوں کو تقسیم فرمایا اور ( ) چاہے تو وہ زمین اس کے قدیم مالکوں کے قبضے میں رہنے دے اور خود کفار پر جزیہ اور زمینوں پہ خراج مقرر کر دے، جیسا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے صحابہ کرامؓ کے اتفاق کے ساتھ "ارض عراق" کے بارے میں یہی حکم نافذ فرمایا۔[۱۵] بعض قدیم مصادر میں حنفی مسلک کے بیان کے لیے "وقف" کی اصطلاح بھی ملتی ہے کہ جس کا مفہوم یہ ہے کہ ان سے حاصل شدہ منافع تمام مسلمانوں پر تقسیم ہوں گے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام مالک اور احمد بن حنبل نے بھی اسی دوسری صورت کو ترجیح دی ہے، البتہ امام شافعیؒ اسے مجاہدین میں تقسیم کرنے کی حمایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مفتوحہ زمینیں مجاہدین کی رضامندی کے بغیر وقف نہیں کی جاسکتیں، لیکن بقول امام شوکانی جمہور صحابہ تابعین اور خلفائے راشدین کی آرا حنفی و مالکی مسلک کی تائید کرتی ہیں۔[۱۷]

ہندوستان کی تمام زمینیں چونکہ "بزورِ شمشیر" فتح کی گئی ہیں، اسی لیے اس پر قریب قریب تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ تمام زمینیں "خراجی ہیں"، عشری نہیں ہیں۔ اور یہ کہ خراجی زمینوں کا خراج تمام مسلمانوں کی بہبود و کفالت عامہ کی مد میں خرچ کیا جاسکتا ہے، ہندوستان کے علماء و فقہاء نے خاص اس مسئلے کی تحقیق و تدقیق کے لیے بڑی بڑی کاوشیں کی ہیں، ہندوستان کے تمام فتاویٰ میں یہ مضمون تفصیل کے ساتھ مطالعہ کیا جاسکتا ہے، فتاویٰ کے علاوہ اس عنوان پر مستقل کتابوں کی بھی کمی نہیں، ہندوستان کے ایک جلیل القدر عالم مولانا جلال الدین تھانیسری (م ۹۸۹ھ/۱۵۸۱ء)[۱۸] نے نے عربی زبان میں ایک مستقل رسالہ "تحقیق اراضی ہند"، تصنیف فرمایا۔ جو ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۵ء میں مطبع احمدی میں طبع ہو چکا ہے اور اس کے قلمی نسخے جامعۂ پنجاب لائبریری سمیت مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں، اس وقیع علمی رسالے میں شیخ جلال الدین تھانیسریؒ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہندوستان کی "بیشتر زمینیں"، ان لوگوں کی ملک نہیں ہیں، جن پر وہ قابض ہیں، بلکہ ان میں سے اکثر زمینیں "سرکاری خزانے" کی مملوکہ ہیں اور "حکومتِ اسلامیہ"، مفادِ عامہ کے لیے ان میں جائز مفادِ عامہ کے لیے ان میں جائز تصرف کرنے کی مجاز ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

"پس نتیجہ یہ نکلا کہ امام ابو حنیفہؒ کے قول پر ہندوستان کی اکثر و بیشتر اراضی ان لوگوں کی ملکیت نہیں ہیں، جو اس پر قابض ہیں، سوچو اور سمجھو! پھر معلوم رہے کہ جب کہ ہندوستان کی اراضی ان انواع مختلفہ پر قائم ہیں، جن کا گذشتہ صفحات میں ذکر ہو چکا ہے، تو اراضی ہند کے متعلق کسی شخص کی ملکیت و عدم ملکیت پر حکم لگانا اس وقت تک درست نہیں ہے، جب تک یقین کے ساتھ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ یہ ذکر کردہ انواع میں سے کس نوع میں شامل ہے"۔[۱۹]

شیخ جلال الدین تھانیسری کے یہ فقہی ارشادات اس زمانہ سے متعلق ہیں۔ جب ہندوستان پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلم حکومت کا آفتاب عین نصف النہار پہ تھا، اور ہندوستان کے طول و عرض میں "مغل اعظم" کے اقتدار کی بساط بچھی ہوئی تھی۔ جبکہ متأخر مغلیہ عہد کے مشہور و معروف محقق قاضی محمد اعلیٰ التھانوی (م ۱۱۹۱ھ/ ۱۷۷۷ء) مؤلف کشاف اصطلاحات الفنون [20] نے بھی خاص اسی موضوع پر ایک رسالہ تصنیف فرمایا، جو تا ہنوز زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہوسکا ہے [21]۔ اس رسالے میں قاضی التھانوی نے شیخ جلال کے مسلک کی تائید کی اور اسی کو راجح قرار دیا ہے [22]۔ علامہ انور شاہ کشمیری اس کی بابت فرماتے ہیں :

"مولانا محمد اعلیٰ تھانوی نے اپنے رسالے میں ذکر کیا ہے کہ اراضی ہند نہ عشری ہیں اور نہ خارجی بلکہ اراضی حوزہ، یعنی سرکاری بیت المال کی ملکیت ہیں کسی کی شخصی ملکیت نہیں ہے [23]"۔

قاضی محمد اعلیٰ التھانوی قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی کے "ہم عصر" ہیں، مگر معاصرت کے باوجود دونوں کی آراء میں ہمیں معمولی سا اختلاف نظر آتا ہے، جس کی تفصیل سطور ذیل میں پیش کی جائے گی۔

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی نے اس عنوان پر گو مستقل رسالہ یا کتاب تو کوئی تصنیف نہیں کی، تاہم، انہوں نے اس کے متعلق فتاویٰ ضرور تحریر کیے ہیں۔ جن میں سے "دو فتاویٰ" دستیاب ہیں، جن میں اس موضوع پر مفصل اظہار خیال کیا گیا ہے۔

قاضی صاحب کے ان فتووں کا شان ورود یہ ہے کہ مسلم حکمرانوں کی طرف سے مختلف امرا اور خاندانوں کو "مدد معاش" کے لیے جو زمینیں دی جاتی تھیں، قاضی صاحبؒ کے زمانے میں یہ سوال پیدا ہوا کہ آیا یہ زمینیں ان لوگوں کی شرعی ملکیت ہیں۔ یا یہ ملکیت محض عارضی اور "وقتی نوعیت" کی ہے، اس مسئلے میں کاندھلہ کے ایک مشہور عالم دین مفتی الٰہی بخش کاندھلوی [24] کے پاس قاضی محمد اعلیٰ تھانوی کا فتویٰ موجود تھا، اس فتوے پر اظہار خیال اور تبصرہ کے لیے مفتی صاحب نے اسے قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ کی خدمت میں ارسال کیا۔ ٹھیک طور پر تو معلوم نہ ہوسکا کہ قاضی محمد اعلیٰ التھانوی کے فتویٰ کی اصل عبارت کیا تھی، لیکن قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ کی عبارت کے بین السطور سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس میں چند اختلافی مسائل پر اظہار خیال کیا گیا تھا، قاضی صاحب اس فتوے پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

سلام مسنون کے بعد واضح ہو کہ آپ کا پہلا خط مع استفتاء ملا تھا، اس کے ساتھ قاضی محمد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اعلیٰ کی مہر لگا ہوا وہ حکمنامہ بھی تھا۔ جو مدد معاش کے بارے میں بادشاہ کے دستور العمل کی مطابقت پر قاضی صاحب کے حکم کے بارہ میں تھا۔ . . . اس بارے میں فتویٰ تحریر کیا جاتا ہے:

"سواد عراق کی زمینوں کی طرح ہندوستان کی زمینیں بھی نہ مسلمان بادشاہوں کی ملکیت ہیں اور نہ مسلمانوں کی۔ بلکہ ان کے مالک زمین والے ہی ہوں گے، خواہ کافر کیوں نہ ہوں صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: سواد زمین زمین والوں کی ہوگی، ان لوگوں کو اسے بیچنے اور اس میں تصرّف کرنے کا حق حاصل رہے گا، کیونکہ امام جب کسی زمین کو زبردستی فتح کرے تو وہ اس پر زمین والے کے قبضے کو برقرار رکھے گا، اور اس پر خراج عائد کرے گا، اس طرح زمین (پہلے کی طرح) اپنے مالک کی ملکیت اور تصرّف میں رہے گی"۔

زمین سے خراج کی وصولی ایک اسلامی حق ہے۔ بادشاہ اس کو لینے اور اس کے صحیح مصرف میں اس کو خرچ کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے اور اگر وہ بیجا مصرف میں خرچ کرے گا، تو گنہگار ہوگا۔[۲۵]

قاضی صاحب کا یہ دور ایک عبوری دور سمجھا جاتا ہے۔ جس میں ملکی اور قومی سطح پر تبدیلیوں کا عمل بڑی تیزی اور سرعت کے ساتھ جاری تھا، مغل انتظامیہ تباہ حال اور کمزور ہو رہی تھی۔ دوسری جانب مختلف صوبوں کے گورنر اپنی اپنی جگہ خودمختار ہو رہے تھے۔ اگر مزید گہرائی میں جا کر سوچا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ بڑی بڑی جاگیروں اور جائیدادوں کے قیام و استحکام کا یہی زمانہ تھا۔ لہٰذا یہ مسئلہ اس وقت کا ایک اہم ترین مسئلہ (BURNING QUESTION) تھا، قاضی صاحب نے اپنی مذکورہ فتوے میں اسی بات کو پیش نظر رکھا ہے۔

قاضی صاحب کا یہ فتویٰ مفصل ہے اور اس میں حسب ذیل امور پر روشنی ڈالی گئی ہے:

۱۔ اگر کسی اسلامی حکمران (بادشاہ، سلطان) نے "غیر آباد" اراضی کا کوئی قطعہ کسی شخص کو عطا کر دیا اور اس نے اپنی محنت و کوشش سے اس قطعے کو آباد کر لیا۔ تو وہ شخص اس زمین کا مالک تصوّر ہوگا اور "حکومت" اس سے قانون اور معاہدے کے مطابق عُشر یا خراج وصول کرنے اور اس کے جائز مصرف میں خرچ کرنے کی مجاز ہوگی۔

۲۔ اور اگر وہ جگہ بذات خود حکومت کی مملوکہ ہے، جسے "ارض حوزہ" کہا جاتا ہے، اور بادشاہِ وقت اس میں سے کسی شخص کو کوئی قطعہ اراضی مرحمت کر دے، تو تب بھی وہ اس کا شرعی و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قانونی مالک تصوّر ہوگا۔

۳۔ ان دو اقسام کے علاوہ قاضی صاحبؒ کے نزدیک پاکستان و ہند کی بیشتر اراضی "خراجی" ہے۔ یعنی نہ تو وہ بادشاہِ وقت کی مملوکہ ہے اور نہ ہی وہ کسی خاص فرد یا خاندان کی ۔۔۔ بلکہ یہ اراضی اس کے ان مالکوں یا ان کے خاندانوں کی ملکیت ہے، جو اس پر اس وقت قابض و متصرف تھے جب اسلامی حکومت نے ان پر قبضہ کیا تھا۔ حکومتِ وقت ایسی اراضی کے مالکان سے لگان وصول کرنے اور اسے کفالت عامہ کی مد میں صرف کرنے کی پابند ہوگی۔

۴۔ اور اگر وہ اراضی ملکیت تو مقامی کسانوں کی ہو۔ لیکن بادشاہ وقت نے وہاں کے کسی شخص کو ان سے ان کا محصول (لگان) وصول کرنے کا اختیار دیا ہو، تو ایسی صورت میں وہ فقط اس اراضی کے لگان کو وصول کرنے کا مجاز ہوگا۔ یہ شخص کسی بھی صورت میں اس اراضی کا مالک نہیں ہو سکتا۔

۵۔ علیٰ ہذا القیاس اگر بادشاہ وقت نے کسی شخص کو کچھ مزارعہ سے اراضی مدد معاش کے لیے اس اراضی سے خراج / لگان وصول کرنے کا اختیار دیدے۔ جیسا کہ ہندوستان کے بادشاہوں کا یہی طریقہ اور دستور رہا ہے۔ بڑے بڑے نواب اور صوبہ دار بادشاہ وقت کی طرف سے مختلف اراضی کے لگان اور محصولات وصول کرنے کے مجاز ہوتے تھے۔ تو ایسی صورت میں متعلقہ افراد اس اراضی کے نہ تو مالک ہو سکتے ہیں اور نہ ہی انہیں اس اراضی کے متعلق مالکانہ حقوق حاصل ہو سکتے ہیں۔ وہ فقط اس اراضی کا لگان یا خراج وصول کرنے کی حد تک تصرف کرنے کے مجاز ہوں گے۔ چنانچہ وہ نہ تو اس اراضی کو بیچ سکتے ہیں۔ اور نہ ہی کسی کو بطور ہبہ یا عطیہ کے دے سکتے ہیں۔ اس کی تائید میں قاضی صاحب فتاویٰ احمدیہ کی ایک عبارت نقل فرماتے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ:

"جن زمینوں کو امام استحصال کے طور پر کسی شخص کو دیتا ہے۔ تو یہ شخص ان زمینوں کا مالک نہیں ہوتا ہے، اس وجہ سے نہ ان کو بیچا جا سکتا ہے اور نہ ہبہ کیا جائے گا اور نہ ان میں وراثت چلے گی، بلکہ عطا کئے جانے والے شخص کی وفات کے بعد خراج بیت المال میں داخل کر لیا جائے گا۔"

۶۔ قاضی محمد اعلیٰ التھانوی کے نزدیک پرانے بادشاہوں کا دستور العمل ہی ان کے بعد بھی جاری رکھا جا سکتا ہے۔ اور اس ضمن میں قاضی کے فیصلے کو "حکم حاکم" ہی کی حیثیت حاصل ہوگی، مگر قاضی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ثناء اللہ پانی پتی قاضی محمد اعلیٰ کی رائے سے متفق نہیں، ان کے خیال میں "مدد معاش" کے تحت والی زمینوں کے بارے میں بادشاہ حال کا دستور العمل نافذ ہوگا۔ بادشاہِ سابق کا نہیں"؛ اور یہ دستور العمل اس بادشاہ کی زندگی تک ہی محدود رہے گا، اس کی وفات کے بعد اسے جاری نہیں رکھا جا سکتا جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر بادشاہِ سابق نے کسی شخص کو خراجی زمینوں میں سے کوئی جاگیر دی ہو تو وہ چونکہ ملک کی زمینوں کا مالک نہیں ہے۔ بلکہ منتظم ہے لہٰذا ملک کی زمینوں کو کسی خاندان کی مستقل ملکیت میں دینا اس کے اختیارات سے تجاوز ہے اور اس عطیے پر نظرِ ثانی کا حق مملکت کو بہر حال حاصل رہتا ہے۔

یہاں شیخ جلال الدین تھانیسری اور قاضی صاحب کے نقطۂ نگاہ کا فرق محسوس کیا جا سکتا ہے۔ شیخ جلال الدین کے نزدیک اگر بادشاہِ وقت خراجی زمین کسی کو بطور جاگیر عطا کر دے تو وہ سابقہ مالکان کی ملک سے خارج ہو کر اس کی ملک میں داخل ہو جائے گی[26] مگر قاضی صاحبؒ کے نزدیک بادشاہِ وقت کو اس قسم کا کوئی اختیار حاصل نہیں، ہندو پاک کی اراضی مملکت کی اراضی ہیں، بادشاہ زیادہ سے زیادہ کسی کو مدد معاش کے لیے اس کا لگان وصول کرنے کا اختیار دے سکتا ہے اور وہ بھی عارضی اور محدود مدت کے لیے، یوں اراضی ہند و پاک مالکان کی ملک میں رہتے ہوئے اصل میں مملکت یعنی سٹیٹ کی ملکیت ہوں گی۔

قاضی محمد اعلیٰ التھانوی کا یہ بھی خیال تھا کہ صدر الصدور گویا قاضی شہر کو بحیثیت نائب سلطان جاگیروں کو بحال رکھنے یا منسوخ کرنے کے اختیارات حاصل ہوتے ہیں، مگر قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی اس نکتے سے بھی اختلاف کرتے ہیں اور واضح فرماتے ہیں کہ قاضی کو محض حکمِ شرع کے مطابق "بادشاہِ حال ہا کے دستور العمل کے مطابق ہی فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہے اس سے تجاوز کرنے کا نہیں؛ قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

> "لیکن یہ واضح رہے کہ یہ حکم موجودہ بادشاہ سے متعلق ہے، کیونکہ اگر بادشاہ کا انتقال ہو جائے یا وہ معزول کر دیا جائے تو اس کا حکم معتبر نہ ہوگا، خلاصہ کلام یہ کہ بادشاہ اپنی سلطنت کے تمام شہروں میں نہیں پہنچ سکتے تھے، اس لیے وہ صدور کو مقرر کرتے اور اپنا دستور العمل تحریر کرتے تھے، اسی کے مطابق انعام پانے والے کے ورثہ معاشی مدد کے لیے دی جانے والی زمینوں کو تقسیم کرتے ہیں یہ دستور العمل بادشاہ کی زندگی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تک جاری و معتبر سمجھا جاتا ہے، صدور اسی پر عمل کرتے ہیں اور قضاۃ بھی صدور کے حکم کو جاری کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ بادشاہ کے نائب ہوتے ہیں۔ لیکن بادشاہ کی موت کے بعد وہ دستور العمل معتبر نہیں رہ جاتا ہے[۲۵]

۸۔ انگریزوں کی عطا کردہ اراضی کا حکم:

قاضی صاحب نے مذکورہ دونوں فتاویٰ ۱۲۱۱ھ/ ۱۷۹۶ء میں تحریر فرمائے، اس وقت دہلی اور پانی پت پر ابھی انگریز حکومت کی عملداری قائم نہ ہوئی تھی، انگریزوں نے دہلی اور تمام دوآبہ پر، لارڈ لیک کی قیادت میں ۱۲۱۸ھ/ ۱۸۰۳ء میں قبضہ کیا، اسی لیے ان فتاویٰ میں برطانوی استعمار کی عطا کردہ اراضی کا مسئلہ زیر بحث نہیں لایا جا سکا اور نہ ہی قبل از وقت ایسا ممکن تھا۔ تاہم قاضی صاحبؒ نے بطور اصول اور ضابطے کے چند ایسے نکات بیان کیے ہیں کہ جن سے اس اہم مسئلے میں بھی رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔

ان میں سے ایک اصول تو یہ ہے کہ کسی بھی بادشاہ وقت کو مملکت اسلامیہ کا کوئی بھی قطعہ اراضی (باستثنائے چند) کسی کی مستقل ملکیت میں دینے کا حق حاصل نہیں ہے، وہ مدد معاش کے طور پر کسی علاقے کا "خراج" وصول کرنے کا اختیار کسی کو تفویض کر سکتا ہے، مگر یہ اختیار بھی خالصتاً عارضی بنیادوں پر اسے حاصل ہوگا۔ جبکہ دوسرا اصول یہ ہے کہ "مدد معاش" کی آگے منتقلی محض "بادشاہِ وقت" کے دستور العمل کے مطابق ہی ہو سکتی ہے۔ اب آئیے ہم یہ دیکھیں کہ برطانوی استعمار نے ہند و پاک کی یہ سرزمین کس طرح حاصل کی، اس سلسلے میں محتاط سے محتاط بات یہ کہی جا سکتی ہے کہ انگریزوں نے جنگ بکسر (۱۱۷۹ھ/ ۱۷۶۵ء) کے ایک سال بعد مغل بادشاہ شاہ عالم سے بنگال کے حقوق دیوانی دو لاکھ روپے میں حاصل کر لیے تھے[۲۶] اور بعد ازاں وہ مغلیہ حکومت کے وکیل مطلق بنے، اور پھر انہوں نے بادشاہ ہند کو اپنا وظیفہ خوار بنا لیا۔ اس طرح ہندوستان پر "انگریز راج" دھوکے اور شاطرانہ چالبازی کے بل بوتے پر قائم ہوا، ایسی صورت میں اس کو کسی قسم کی شرعی اور قانونی حیثیت نہیں دی جا سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کے تمام علماء و فقہاء نے انگریز حکومت کے خلاف جہاد کا فتویٰ جاری کیا اور انگریز حکومت کے دو صدیوں پر محیط اس دورِ حکومت میں ہمیشہ مسلمانوں نے اس کے خلاف علمِ جہاد بلند رکھا اس پس منظر میں انگریز حکومت کی جانب سے جن لوگوں "ابنائے وطن" کو غداری کے نتیجے میں سینکڑوں کے حساب سے مربعے الاٹ کیے گئے، گو مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم و مغفور نے ان کے جائز ہونے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا فتویٰ صادر کیا ہے[۲۹] مگر قاضی صاحب کے مذکورہ بالا اصولوں کے تحت اس کا جواز ثابت نہیں ہوتا تاہم قانونِ رواج کے تحت ان کو گوارا کیا جا سکتا ہے۔ قاضی صاحب نے ہند و پاک کی اراضی کے بارے میں جو نقطۂ نظر پیش کیا، سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ([۳۰]) اور شاہ اسماعیل شہید کے فتاویٰ[۳۱] بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔

اختتام:

اسلامی معاشی نظام محض "سود" کا نام بدل دینے یا ہر سہ ماہی کے بعد سو دو سو روپیہ فی خاندان زکوٰۃ تقسیم کرنے سے نافذ نہیں کیا جا سکتا، اس کے بجائے اسلامی معاشیات کی "منزل مراد" "کفالت عامہ" کا تصور ہے، جسے قرآن مجید نے وَیسئلونک ماذا ینفقون قل العفو[۳۲] یعنی لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ (خدا کی راہ میں) کونسا مال خرچ کریں۔ کہہ دو جو ضرورت سے زیادہ ہو، اور فی اموالهم حق للسائل والمحروم[۳۳] یعنی "اور ان کے مال میں مانگنے والے اور نہ مانگنے والے دونوں کا حق ہوتا ہے" وغیرہ کی آیاتِ طیبہ کے ذریعے سے پیش کیا۔ "کفالت عامہ" سے مراد یہ ہے کہ اسلامی مملکت کے ہر شہری کو رہنے کے لیے مکان، کھانے کے لیے روٹی اور پہننے کے لیے موسم کے مطابق لباس ملنا چاہیے، عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ "روٹی کپڑے اور مکان" کا یہ نعرہ سوشلزم نے دیا، حالانکہ یہ پروگرام سب سے پہلے اسلام نے پیش کیا تھا، علامہ ابن حزم (م ۴۵۶ھ / ۱۰۶۴ء) اپنی کتاب المحلی میں تحریر فرماتے ہیں:

فرض علی الاغنیاء من اهل کل بلد ان یقوموا بفقرائهم ویجبرهم السلطان علی ذالک ان لم تقم الزکوٰت بهم ولا فی سائر اموال المسلمین بهم فیقام لهم بما یاکلون من القوت الذی لابد منه ومن اللباس للشتاء والصیف بمثل ذالک وبمسکن یکنهم من المطر والصیف والشمس وعیون المارة[۳۴]

ہر شہر کے مالداروں پر یہ فرض ہے کہ اپنے شہر کے فقراء کی ضرورتوں کو پورا کریں۔ اگر زکوٰۃ اور مسلمانوں کے دیگر ذرائع سے انکی ضرورتیں پوری نہ ہوں تو بادشاہ انکو مجبور کر سکتا ہے کہ وہ ہر آدمی کو ضرورت کے مطابق خوراک، سردی گرمی کے مطابق لباس اور بارش اور گرمی سردی سے بچنے کیلیے مکان مہیا کریں۔

اگر کسی وقت صحیح اسلامی اقتصادی نظام قائم ہوا اور اس نے مملکت پاکستان کے تمام باشندوں کی "کفالت عامہ" کے پروگرام کو اپنا مشن بنایا تو اسکے لیے قاضی صاحب کے ان مذکورہ فتاویٰ میں بھرپور رہنمائی موجود ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالہ جات

۱؎ مغلیہ سلطنت کا دورِ زوال سلطان اورنگ عالمگیر کی وفات (۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء) سے شروع ہوا، جس کے دوران میں مسلم حکومت کا شیرازہ بکھر گیا اور پورے ہندوستان پر طوائف الملوکی کا سلسلہ قائم ہوگیا، جسے انگریزوں نے آکر ختم کیا، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

(۱) تاریخ ہند از شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ دہلوی؛ (۲) سر جدو ناتھ سرکار Fall of the Mughal Empire (۳) ایلیٹ اینڈ ڈوسن HISTORY OF INDIA وغیرہ۔

۲؎ ۳؎ قاضی صاحب کے یہ دونوں شجرہ ہائے نسب قلمی صورت میں، راقم الحروف کے تحقیقی مقالے "قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی؛ احوال و آثار" (باب اول) کی زینت ہیں۔

۴؎ مولوی نعیم اللہ بہرائچی: بشارات مظہریہ، قلمی، ورق ۱۴۶ ب۔

۵؎ نواب شاکر خان نے، جو عرصۂ دراز تک شاہ عالم کے دیوان رہے، اس دور کے چشم دید واقعات تحریر کیے ہیں، ان کی اس کتاب کا قلمی نسخہ برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔

۶؎ تفصیل کے لیے مقالہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی، احوال و آثار، جامعہ پنجاب لائبریری۔

۷؎ مولانا عبد الحی لکھنوی: نزہۃ الخواطر، ۷: ۱۱۴۔

۸؎ تفسیر مظہری سے پہلے ہندوستان میں بہت سی تفاسیر لکھی گئیں۔ مگر یا تو وہ فارسی زبان میں ہیں، مثلاً بحر مواج (مخطوطہ برٹش میوزیم)، یا نامکمل ہیں، مثلاً المہائمی کی تبصیر الرحمان، جو جلالین کی طرز پر ہے۔ مکمل عربی تفسیر "تفسیر مظہری" ہے جسے قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی نے ۱۳ سال کے عرصے میں مکمل کیا (از ۱۱۹۵ - ۱۲۰۸ھ)

۹؎ مقالہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی حصہ اول باب ہشتم۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۰؎ اقسامِ اراضی پر مفتی محمد شفیعؒ نے اپنی کتاب اسلام کا نظامِ اراضی پر مفصّل بحث کی ہے (حصّہ اوّل)

۱۱؎ تفصیل کے لیے البلاذری: فتوح البلدان، فتح السند؛ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، بذیل سنین متعلقہ، محمد قاسم فرشتہ: تاریخ فرشتہ وغیرہ۔

۱۲؎ یہ فقہی عنوان ہے۔

۱۳؎ تفسیر مظہری، ۴: ۹۰-۹۱۔

۱۴؎ کتاب الاموال، ص ۵۸۔

۱۵؎ البلاذری: فتوح البلدان، فتح العراق، وغیرہ۔

۱۶؎ ہدایہ؛ ابن حزم، المحلّٰی، ۷: ۳۴۲۔

۱۷؎ الشوکانی: نیل الاوطار، ۱۴۸۔

۱۸؎ مولانا جلال الدین تھانیسری فاروقی عظیم صوفی شیخ عبد القدوس گنگوہی (م ۹۴۵ھ/ سلطان جلال الدین اکبر حکیم مرزا سے مقابلے کے لیے جاتے ہوئے اس سے ملا تھا، انہوں نے تمام عمر درس و تصنیف میں بسر کی، انہوں نے ۹۸۹ھ/ ۱۵۸۱ء) میں انتقال کیا (شیخ عبد الحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار، ص ۲۷۳؛ پروفیسر خلیق احمد نظامی: تاریخ مشائخ چشت، مطبوعہ دہلی، ۱۹۵۳، ص ۲۲۴-۲۲۵)۔

۱۹؎ رسالہ اراضی ہند، ص ۱۲، ۱۳۔

۲۰؎ قاضی محمد اعلیٰ فاروقی، تھانوی۔ سرزمین ہند کے ایک ممتاز عالم و محقق تھے، ان کی عربی کتاب کشاف اصطلاحات الفنون، علوم و فنون اسلامیہ و عربیہ کا ایک جامع دائرہ معارف (یعنی انسائیکلوپیڈیا) ہے، جسے ڈاکٹر اسپرنگر نے ایڈٹ کر کے کلکتہ سے ۱۸۳۸ء میں شائع کیا۔ (نزہۃ الخواطر ۷: ۲۷۸)۔

۲۱؎ اس کا قلمی نسخہ برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔

۲۲؎ فتاویٰ شاہ عبد العزیز دہلوی، ۱: ۴۳، مطبوعہ دہلی۔

۲۳؎ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی: اسلام کا اقتصادی نظام، ص ۱۵۴، بحوالہ العرف الشذی، ص ۲۸۶۔

۲۴؎ مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلہ کے مشہور بزرگ اور قاضی محمد ثناء پانی پتی کے ہم عصر تھے۔ انہوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی سے حدیث پڑھی، انہوں نے تمام عمر درس و تدریس اور تصنیف و تعلیم میں بسر کر دی، متعدد کتابیں ان کی یادگار ہیں ان کی وفات ۱۲۴۵ھ/ ۱۸۲۹ء کاندھلہ میں ہوئی (معارف، اعظم گڑھ، بابت ماہ اپریل ۱۹۷۵ء، ص ۲۷۴ — ۲۷۶) - یہ دونوں فتاویٰ ان کے خاندان کے ایک محقق مولانا نور الحسن راشد صاحب نے پہلی بار شائع کیے -

۲۵ھ معارف اعظم گڑھ میں ۲۸۳ - ۲۸۵ - بابت اپریل ۱۹۷۵ء -

۲۶ھ دیکھیے مفتی محمد شفیع : اسلام کا نظام اراضی، مطبوعہ کراچی، ص ۱۰۸ - ۱۰۹ -

۲۷ھ معارف اعظم گڑھ، ص ۲۸۷ -

۲۸ھ دیکھیے بشیر الدین : واقعات دار الحکومت دہلی، ۱ : ۶۶۲ — ۶۶۴ -

۲۹ھ اسلام کا نظام اراضی، ص ۱۳۳، نج

۳۰ھ فتاویٰ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، ۲ : ۲۴ -

۳۱ھ معارف اعظم گڑھ، اپریل ۱۹۷۵ء، ص ۲۹۱ - ۲۹۲ -

۳۲ھ ۲ (البقرہ) : ۲۱۹ -

۳۳ھ ۵۱ (الذاریات : ۱۹ -

۳۴ھ محلی ابن حزم، ۶، ۱۵۷، ۷۲۵ ؛ معجم فقہ ابن حزم الظاہری، ص ۹۴۴ -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حافظ ابن حزم کا اجتماعی نظریہ

ڈاکٹر حمید اللہ عبد القادر جامعہ پنجاب لاہور۔

ابن حزم کی سوانح حیات : (۳۸۴ھ - ۴۵۶ھ)

نام ونسب : ابو محمد کنیت، علی بن احمد بن سعید بن حزم بن غالب بن صالح نام ہے[۱]

تاریخ پیدائش : ۳۸۴ھ

تاریخ وفات : ۴۵۶ھ[۲]

علمی مقام : ابن حزمؒ ایک ظاہری فقیہ، محدث، مؤرخ اور ادیان و فرق کے ماہر تھے۔ ان کی جلالت و عظمت کا اعتراف بہت سے مفکرین نے کیا ہے۔

ابن خلکانؒ لکھتے ہیں : (علوم حدیث اور فقہ کے امام تھے۔ اخلاق فاضلہ کے مالک تھے[۳])

امام ذہبیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں : ابن حزم بڑے عالم اور کامل مجتہد تھے[۴]

امام غزالیؒ نے ابن حزم کی جلالت علمی اور عظمت کا اعتراف کیا ہے[۵]

۱۔ صاعد الاندلسی : طبقات الأمم، ص ۵،

۲۔ ایضاً ص ۷۷

۳۔ وفیات الأعیان، ۳/۳۲۵

۴۔ تذکرہ الحفاظ ، ۳/۱۱۵۳ (طبقہ ۱۴)

۵۔ المقری : نفح الطیب ، ۲/۲۸۳

© rasailojaraid.com